ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.6 No.2 2022

حسنین ساحر کے مجموعۂ غزل "فصیلِ جاں" کا لسانی و اسلوبی مطالعہ

(LINGUISTIC AND STYLISTIC STUDY OF HASNAIN SAHIR'S GHAZAL COLLECTION "FASEEL-E JAAN")

*نعمت اللہ ارشد گھمن
پی ایچ ڈی اسکالر، الحمد اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد
**ڈاکٹر محمد یوسف اعوان
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، یونیورسٹی آف سیالکوٹ
***ذوالفقار احمد
راولپنڈی، پاکستان

ABSTRACT:
Hasnain Sahir is a modern poet. In terms of language and style, his poetry has distinctive features. In his language and style, the glimpse of contemporary times is observable. In his book "Faseel-i Jaan" distinct linguistic, stylistic and technical experiments and innovation can be observed. He has coined new words as well as presented unique creations like Jadeed Rekhta. His poetic language is simple, smooth and understandable. Along with Urdu, Persian, Punjabi and Hindi words are widely used in his Ghazal. Due to unique analogy, metaphors, diction, techniques, melody and lyrical harmony are the special features of his ghazals. In this paper, a study of his poetic language and style is presented.
***Keywords**: Hasnain Sahir, Faseel-e-Jaan, Ghazal, Analogy, Metaphor, Linguistics, Stylistics, Jadeed Rekhta.*

کلیدی الفاظ: حسنین ساحر، فصیلِ جاں، غزل، تشبیہات، استعارات، زبان، اسلوب، جدید ریختہ۔

حسنین ساحر جدید شاعر ہیں۔ ان کے زبان و اسلوب میں عصرِ حاضر کی جھلک نمایاں ہے۔ لسانی و اسلوبیات حوالے سے دیکھیں تو ان کی غزل نغمگی، سہل نگاری اور تغزل سے بھرپور ہے۔ یہاں زبان و اسلوب کے سیاق میں ان کے مجموعۂ غزل "فصیلِ جاں" کا جائزہ پیش کیا جارہا ہے۔

ا۔ لفظیات و تراکیب:

انسان کو اپنے تکلم اور تجربات و جذبات کے اظہار کے لیے ہمیشہ الفاظ کی ضرورت رہی ہے۔ اسی ضرورت کے تحت الفاظ اور پھر ان الفاظ سے تراکیب وضع کی گئیں۔ اِن الفاظ و تراکیب سے رابطے کی سہولت پیدا ہوئی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ الفاظ و تراکیب رابطے کا واحد ذریعہ رہے ہیں۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ ہر زمانے میں ان کا استعمال مختلف رہا ہے۔ جیسے جیسے انسانوں کے درمیان مکالمہ بڑھتا گیا اسی تناسب سے الفاظ و تراکیب بھی نئے نئے روپ میں آنے لگے۔ یہ ادب کی تخلیق کا محرک بھی ہے ۔ تمام اصنافِ ادب لفظیات ہی کی محتاج ہیں اور شاعری تو ہے ہی الفاظ کے مناسب اور متناسب دروبست کا نام ۔ یہی وجہ ہے کہ الفاظ کے استعمال سے ہم شاعری کو مناسب طور پر پرکھنے کے قابل ہوتے ہیں۔بقول انیس ناگی:

> "شاعری میں الفاظ کی حیثیت ایک فعال تخلیقی قوت ہے ۔ شاعری میں الفاظ کے معنوی الوان نثر کی نسبت زیادہ تاثیر سے نمایاں ہوتے ہیں ۔ شاعر تخلیقِ شعر میں الفاظ کو مخصوص ڈیزائن کے تحت استعمال کرتا ہے۔ یہ ڈیزائن شاعر کا جذباتی سیاق و سباق ہوتا ہے ۔ شاعر کے الفاظ کے

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.6 No.2 2022

ساتھ مخصوص شخصی تلازمے وابسطہ ہوتے ہیں۔تخلیقِ شعر کے دوران وہ ان تلازمات کو معروضی حقائق کے ساتھ متعلق کر کے پیش کرتا ہے۔"(۱)

الفاظ کے ساتھ خیالات جنم لیتے ہیں ۔ بعض ادباءکے نزدیک اصل اہمیت الفاظ کی ہے ۔ مضمون اور معانی کی حیثیت ثانوی ہے۔ لیکن اس کے برعکس بعض ناقدین مضمون اور معانی کو الفاظ پر فوقیت دیتے ہیں ۔ ان کے نزدیک الفاظ کی ظاہری حالت زیادہ اہم نہیں ۔ اس طرح لفظ اور معانی کو الگ الگ کر کے پرکھنے پر کئی غلط نظریات بھی سامنے آتے ہیں ۔ جن کی بنیاد پر ہم کسی تخلیق کو وہ جائز مقام نہیں دے پاتے جس کی وہ حق دار ہوتی ہے ۔ مرادفات اور مترادفات کے پیشِ نظر مولانا شبلی نعمانی نے الفا ظ کی حالت کو قبول کر لینے پر زور دیا ہے۔مولاناکے مطابق:

"شاعری کا اصل مدار الفاظ کی معنوی حالت پر ہے یعنی معنی کے لحاظ سے الفاظ کا کیا اثر ہوتا ہے اور اس کے لحاظ سے ان میں کیوں اختلافِ مراتب ہوتا ہے۔"(۲)

مذکورہ بالا دونوں نظریات تصویر کا ایک رُخ دِکھاتے ہیں جس سے حقیقت آشکارہ نہیں ہوتی ۔ ان دونوں نظریات کو ملا کر ان کا خلاصہ مولانہ شبلی نعمانی یوں بیان کرتے ہیں:

"لفظ جسم ہے اور مضمون روح ہے۔ دونوں کا ارتباطِ باہم ایسا ہے جیسا روح اور جسم کا ارتباط کہ وہ کمزور ہو گیا تو یہ بھی کمزور ہو گی۔ پس اگر معنی میں نقص نہ ہو اور لفظ میں ہو تو شعر میں عیب سمجھا جائے گا۔ جس طرح لنگڑے اور گنجے میں روح موجود ہوتی ہے لیکن بدن میں عیب ہوتا ہے۔ اس طرح اگر لفظ اچھے ہوں اور مضمون اچھا نہ ہو تب بھی شعر خراب ہو گا اور مضمون کی خرابی الفاظ پر اثر کرے گی۔اگر مضمون بالکل لغو ہو اور الفاظ اچھے ہوں تو الفاظ بھی بیکار ہوں گے جس طرح مردہ کا جسم کہ یوں دیکھنے میں سب کچھ سلامت ہے لیکن درحقیقت کچھ بھی نہیں۔ اس طرح مضمون اگر اچھا ہو لیکن الفاظ اگربُرے ہیں تب بھی شعر بے کار ہو گا، کیوں کہ روح بغیر جسم کے پائی نہیں جاتی۔"(۳)

اس اقتباس سے وضاحت ہو جاتی ہے کہ کلام میں حسن پیدا کرنے کے لیے الفاظ کے ساتھ ساتھ معنی اور مضمون بھی اچھا ہونا چاہیے ۔ ہماری شعری روایت لفظیات کے عمدہ استعمال سے بھر پور ہے ۔ ہمارے شعرا نے دوسری زبانوں کے الفاظ کو اردو کا حصہ بنایا۔ شعرا نے ان الفاظ کو صورتِ حال کے مطابق استعمال کر کے ادبی ضروریات کو پورا کیا ۔ یوں اردو کے ذخیرہ الفاظ میں خوب صورت اضافہ ہوا۔ وقت کے ساتھ روایتی الفاظ کے متبادل بھی تلاش کیے گئے اس طرح غزل کی روایت میں نہ صرف غیر غزلیہ اور نامانوس الفاظ در آئے بلکہ ان کے استعمال کو جائز بھی سمجھا گیا۔ ترقی پسند شعرا کے ہاں یہ رجحان واضح طور پر ملتا ہے ۔ اردو کی تابندہ شعری روایت سے لفظیات کے چند نمونے ملاحظہ ہوں:

پیچ داری میں سمجھتے ہیں اُسے سب بہتر
گز کا محتاج نہیں آہنِ فغروق کا نال (۴)

آتش پرست کہتے ہیں اہلِ جہاں مجھے (۵)
سرگرمِ نالہ ہائے شرر بار دیکھ کر

کوکتی تھی بانسری چاروں دِشاؤں میں منیر (۶)
پر نگر میں اس صدا کا رازداں کوئی نہ تھا

برتنوں کی کھنک اور نرمی سے بجتا ہوا سازِ دل (۷)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.6 No.2 2022

لفظیات کے استعمال کے لحاظ سے غزل کی روایت میں دو قسم کے رویے موجود رہے ہیں ۔ ایک تو روایتی اور مانوس الفاظ استعمال کرنے کا رویہ اور دوسرا غیر زبانوں کے نا مانوس غیر غزلیہ الفاظ کا استعمال ۔ ان لسانی تبدیلیوں کا جائزہ لیتے ہوئے حامد کاشمیری یوں رقم طراز ہیں:

> "نئے شعرا کے لسانی رویوں میں غزل کے اسلوب ، زبان اور لہجے میں بھی گہری تبدیلیوں کے لیے راستہ ہموار کیا ہے چنانچہ ناصر کاظمی کے بعد اکثر نئے غزل گو شعرا کے یہاں غزل کی لسانی ترتیب و تہذیب میں جدت ، تجربہ پسندی اور اُپج کا احساس ہوتا ہے۔ نئی غزلوں میں مجموعی طور پر نئی دریافت شدہ زمینوں کے شادابی ، مہک اور کشادگی ملتی ہے۔ نئی غزل کے لسانی برتاؤ کی شناخت دو سطحوں پر ہو سکتی ہے اورغزل کے روایتی الفاظ کو نئے استعاراتی ، انسلاکاتی اور علامتی امکانات سے آشنا کرنے کا رویہ۔ دوم :روزمرہ زندگی کے علاوہ غیر زبانوں کے مروجہ اور کھردرے الفاظ کو برتنے کا عمل۔"(۸)

غزل کے اس روایتی سرمائے سے حسنین ساحر نے بھر پور استفادہ کیا ہے ۔ اپنی غزل کو خوب صورت بنانے کے لیے انھوں نے ہندی ، فارسی، عربی اور پنجابی زبانوں کے مروج الفاظ بھی استعمال کیے ہیں اور انگریزی زبان کے وہ الفاظ بھی جو موجودہ دور میں ہمارے عام بول چال کا حصہ ہیں۔

☆ الفاظ کا چناؤ:

حسنین ساحر کی غزلیں غزل برائے غزل کہنے اور کہتے جانے کی یکساں مشق اور عام روش کی بجائے کہیں نئے معنی اور مطالب کی جستجو کرتی اور ایک ثقافتی و تہذیبی تشخص کی بازیافت کی سنجیدہ کاوش کرتی نظر آتی ہیں ۔ ان کے بعض اشعار معنی کو ذرا سا التوا میں رکھ کر اسرار کی کیفیت پیدا کردیتے ہیں ۔ حسنین ساحر کی غزلیں اپنی روایت سے منسلک رہتے ہوئے گاہے بگاہے لسانی تجربے بھی کرتی رہتی ہیں۔ مثلاً انھوں نے وصال ، ہجر اور جلوہ سے بالترتیب وصلت، ہجرت اور جلوت کے الفاظ استعمال کیے ہیں ۔ صلیب سے مصلوب کا مفعول استعمال کیا ۔ اس کے علاوہ فہم کے حاصل مصدر فہمیدہ کی طرز پر سہم سے "سہمیدہ" کا لفظ وضع کیا ہے۔ نمونے کے طور پر چند اشعار ملاحظہ ہوں:

چل پڑے ہو سمت الٹی تم دِل سہمیدہ کیوں؟
بیعتِ منصور کی ہے، عشق ہو دزدیدہ کیوں؟ (فصیلِ جاں،ص:30)
اک کلی سی چٹکتی پہ حیرت ہوئی
عشق خوشبو بھٹکتی پہ حیرت ہوئی
لاج کو آتشِ عشق میں جھونک کر
تھل میں سسّی مٹکتی پہ حیرت ہوئی (ایضاً،ص:70)

☆ ہندی لفظیات :

حسنین ساحر کو خوش آوز الفاظ اچھے لگتے ہیں۔وہ نئے نئے قافیے بھی تشکیل دیتے ہیں۔ہندی ، پنجابی ، فارسی اور انگریزی کے الفاظ اُردو میں گھلا ملا دیتے ہیں ۔ ان کی شاعری میں ہندی الفاظ بکثرت موجود ہیں ۔ جن میں جیون ، دوش، رام، راون بھجن ، کاہے ، کارن، اگن، پریت، سے، چنری ، سنسار، سفلتا وغیرہ۔نمونے کے طور پر چند اشعار ملاحظہ ہوں:

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.6 No.2 2022

اِک زمستاں مری دنیا، مرے چودھار جمود
تھم گئی میری سفلتا کی روانی ساحر (ایضاً،ص:120)
کیوں تری مانگ کی اُلجھن میں ہیں تاروں کی طرح
دردِ ہجرت میں تڑپتے ہوئے صدمات کے رنگ (ایضاً،ص:64)
سادھوؤں کو بھی راون بجھن بھا گیا
سنکھ اور ناد پر بجلیاں گِر پڑیں (ایضاً،ص:51)

☆ پنجابی لفظیات :

حسنین ساحر صوبہ پنجاب کے رہنے والے ہیں اور ان کی مادری زبان بھی پنجابی ہے۔ پنجابی زبان سے گہری واقفیت رکھتے ہیں اس لیے پنجابی زبان کے الفاظ ان کے شعروں میں با آسانی اپنی جگہ بنالیتے ہیں اور انوکھا پن پیدا کرتے ہیں ۔ پنجابی زبان کے یہ الفاظ نامانوس نہیں بلکہ عام بول چال سے لیے گئے ہیں ۔ اس لیے قاری کی گرفتِ سماعت میں با آسانی سے آجاتے ہیں ۔ انھوں نے حیاتی ، لارے ، وڈیروں ، دغا ، بے تکے ، ڈھوتے ، ارمان ، چودھار ، پنچھی ، لد، لانجھا جیسے الفاظ کا بہت خوب صورت استعمال کیا ہے۔ نمونے کے طور پر چند اشعار ملاحظہ ہوں :

ہر قدم پر ہے لانجھا نیا منتظر
ہر مصیبت کھٹکتی پہ حیرت ہوئی (ایضاً،ص:139)
صدیوں کی ہے درد حیاتی قسمت میں
سال، مہینہ، ہفتہ نئیں ہے، اندھیرا ہے (ایضاً،ص:141)

☆ تراکیب :

حسنین ساحر کی غزل روایت اور جدت کا خوب صورت امتزاج ہے۔ انھوں نے غزل کے حسن کو کہیں پر مجروح نہیں ہونے دیابلکہ اس کی ثروت میں خوب صورت لفظیات و تراکیب سے اضافہ ہی کیا ہے ۔ خاکِ سرِ راہِ شہر، نشرگاہِ شہر، تباہِ شہر، انتباہِ شہر، جہانِ رنگ و بو، حسنِ ادا، رنگینیٔ عالم، ساحلِ بے قرار، دردِ ہجراں ، سنگِ ملامت ، نیتِ شوق ، پیشِ جاں، سکوتِ شب ، اہلِ منصب و ثروت، دشتِ عشق، سنگِ بنیاد ، کربِ جدائی، شریکِ جرم ، کارِ زندگانی ،زخمِ دل، جرمِ محبت جیسی خوب صورت اور منفرد تراکیب حسنین ساحر کی غزلیات میں جا بجا ملتی ہیں جو مکمل پیکر میں ڈھلی ہوئی نظر آتی ہیں۔نمونے کے طور پر چند اشعار ملاحظہ ہوں:

اب مجھے سنگِ ملامت کا کوئی خوف نہیں
مذہبِ عشق کا اعجاز پریشانی ہے
ہر طرف حسنِ ازل کے ہیں مظاہر ساحر
اور ہر شے میں عیاں جلوۂ یزدانی ہے (ایضاً،ص:122)
عجیب ڈھنگ سے بکھرا، سمٹ نہیں پایا
یہ میرا دل ہے یا ہے خاکِ سرِ راہِ شہر
کبھی حجاب تھا جن کی کتابِ ہستی پر
ہٹا حجاب، بنے اب وہ نشر گاہِ شہر (ایضاً،ص:155)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.6 No.2 2022

☆ محاورے :

حسنین ساحر نے صرف نئے الفاظ ہی وضع نہیں کیے بلکہ منفرد اور اچھوتے محاورے بھی اختراع کیے ہیں۔ "لوہا اُگانا" بہت ہی منفرد محاورہ ہے جس سے جنگی ہتھیار، بارود، ایٹمی تجربات، فیکٹریوں، کارخانوں کے علاوہ بے حسی کی نمائندگی بھی ہوتی ہے۔ ان کا شعر ملاحظہ ہو:

جب سے لوہا اُگا رہے ہیں ہم
تب سے بارش بھی کم برستی ہے (ایضاً،ص:74)

اسی طرح "آنکھ میں تنکا" کا شعر میں استعمال دیکھیے:

دیکھ کے مجھ کو یوں کتراتا ہے جیسے
تنکا بن کر اس کی آنکھ میں پڑتا ہوں (ایضاً،ص:44)

انگریزی کا محاورہ ہے "Break the ice" جو خاموشی توڑنے ، جمود توڑنے یا پہل کرنے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ حسنین ساحر نے اس محاورے کو اُردو میں لفظی ترجمہ (برف توڑنا)کے ساتھ استعمال کیا ہے جو شعر میں بہت لطف پیدا کر رہا ہے:

برف ٹوٹی ہے اُس کے آنے سے
لب ہلے اور پھر صدا ناچی (ایضاً،ص:31)

۲۔ صنائع بدائع:

☆ صنعتِ تکرارِ لفظی:

ڈاکٹر یوسف حسین خاں کے مطابق :

"لفظوں کی تکرار بالعموم نثر اور شعر دونوں میں معیوب سمجھی جاتی ہے لیکن اگر لفظوں کی تکرار اور اُلٹ پھیر ایک خاص سلیقے سے کیا جائے اور وہ رمزی اور ایمائی اثر بڑھانے میں مدد دے تو کلام کی بلاغت اور حسن میں اضافہ ہو گا۔ غزل میں وزن اور بحر اور ردیف قافیے کی تکرار بھی اس مقصد کے لیے ہوتی ہے ۔ بعض اوقات لفظ کی تکرار اس واسطے پسند ہوتی ہے کہ دل جس چیز کو چاہتا اور پہچانتا ہے وہ بار بار سامنے آتی رہے۔ لفظوں کے خیالی پیکروں سے جذبہ اپنے آپ کو وابستہ کر لیتا ہے تو یہ صورت پیدا ہوتی ہے۔ تکرار سے ان خالی پیکروں کے نقوش میں گہرائی پیدا ہو جاتی ہے۔"(۹)

مندرجہ بالا اقتباس کی روشنی میں چند اشعار ملاحظہ ہوں :

پتا پتا بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے
جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے (۱۰)
اُن میں کچھ اور بات تھی اِن میں کچھ اور بات ہے
حضرتِ نوحؑ کا گماں حضرتِ نوحؑ پر نہیں (۱۱)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.6 No.2 2022

حسنین ساحر نے بھی تکرارِ لفظی کی یہ روایتی روش اپنا کر اپنے کلام کی خوب صورتی اور تاثر میں اضافہ کیا اور خیالی پیکروں کو اپنے جذبات کے ساتھ مملو کر کے قابلِ فہم بنایا ہے۔ حسنین ساحر نے تکرارِ لفظی سے حسن کشید کیا ہے اور معانی و مفہوم میں گہرائی اور گیرائی پیدا کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے ۔ ان کے ہاں لفظوں کی تکرار سے موسیقیت جنم لیتی ہے جس سے شعر کا لطف دوبالا ہو جاتا ہے۔ نمونے کے طور پر چند اشعار ملاحظہ ہوں :

اپنے آپ سے خوف زدہ ہوں ڈر ڈر کے اب جیتا ہوں
دل میں رات بسائے ساحر گلی گلی میں پھرتا ہوں
بے حس انسانوں کا جنگل، بدروحیں سناٹے ہیں
سائیں سائیں سنتا ہوں تو سہا سہا رہتا ہوں (فصیلِ جاں،ص:181)

یہاں برسی، وہاں برسی، اِدھر برسی اُدھر برسی (ایضاً،ص:186)
خدا جانے مرے حصے کی بارش کس کے گھر برسی

☆ صنعتِ مراعاۃ النظیر:

پروفیسر انور جمال کے مطابق :

"یہ مثال و نظیر کی رعایت سے علمِ بدیع کی اصطلاح ہے ۔ مراۃ النظیر کو توفیق، تلفیق اور ایتلاف بھی کہتے ہیں ۔ مرعات النظیر اس صنعت کاری کا نام ہے جس کے ذریعے کلام میں ایسے الفاظ لائے جاتے ہیں جن کے معنوں میں ایک خاص مناسبت اور تعلق ہو لیکن یہ تعلق اور مناسبت ، تقابل و تضاد کے نہ ہوں۔ دنیا کی کوئی شاعری اس صنعت سے گریز نہیں کر سکتی کہ شعر بغیر اس کے اوّل تو شعر نہیں ہوتا اور اگر عروضی اصولوں کے تحت اسے شعر مان بھی لیا جائے تو وہ پر اثر اور پر جمال تخلیق نہیں ہو سکتی۔"(۱۲)

دیوانِ غالب سے مثال ملاحظہ ہو:

رو میں ہے رخشِ عمر، کہاں دیکھئے تھمے
نے ہاتھ باگ پر ہے، نہ پا ہے رُکاب میں (۱۳)

حسنین ساحر کے کلام سے صنعتِ مراعاۃ النظیر کی مثال ملاحظہ کیجیے:

ترا چہرہ ، تری آنکھیں ، تری تصویر رہتی ہے
مری بے خواب آنکھوں میں یہی جاگیر رہتی ہے (فصیلِ جاں،ص:187)

☆ صنعتِ تضاد :

پروفیسر انور جمال لکھتے ہیں "جب کلام میں ایسے الفاظ لائے جائیں جو معنی کے لحاظ سے ایک دوسرے کی ضد ہوں ، صنعتِ تضاد کہلاتی ہے"(14)۔شعرا نے تضاد کو بہت عمدگی سے برتا ہے۔ ایک چیز کا دوسری چیز سے تضاد ظاہر کر کے خیال کو ایسے سانچے میں ڈھال دیا گیا ہے کہ شعر کے اندر ابہام کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔میر کے ہاں تضاد کی ایجابی صورت ملاحظہ ہو:

یاں کے سپید و سیاہ ہم کو دخل جو ہے سو اتنا ہے

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.6 No.2 2022

رات کو رو رو صبح کیا اور دن کو جوں توں شام کیا (۱۵)

غالب کے ہاں تضاد کی دوسری صورت، یعنی سلبی ملاحظہ کیجیے:

دل سے نکلا پہ نہ نکلا دل سے
ہے ترے تیر کا پیکان عزیز (۱۶)

حسنین ساحر نے بہت پیچیدہ خیالا ت کو قابلِ فہم بنانے کے لیے صنعت تضاد کا استعمال بہت خوب صورتی سے کیا ہے۔ اس سے ان کے کلام میں حسن بھی پیدا ہوا ہے۔ متضاد الفاظ استعمال کرنے سے مراد ہرگز یہ نہیں کہ خیالات میں تضاد پایا جاتا ہے ۔ صنعتِ تضاد کے حامل چند اشعار ملاحظہ ہوں:

مِرے سیاہ و سفید کی سب خبر ہے تجھ کو
تو ہی تو اِک میرا راز داں ہے عجب سماں ہے (فصیلِ جاں،ص:14)
ستم زدوں کی امیدیں ہیں آج بھی زندہ
خزاں رتوں میں بہاروں کی بات کرتے ہیں (ایضاً،ص:41)

☆ صنعتِ تلمیح:

تحریر و تقریر میں کسی مشہور قصے یا کہانی ، کسی افسانوی و دیومالائی یا حقیقی و تاریخی واقعے کسی روایتی و ثقافتی رسم و رواج یا کسی دائرہ علم و فن کی اصطلاحات کی طرف اشارہ کرنا صنعتِ تلمیح کہلاتا ہے۔ اصطلاح اور تلمیح دو مختلف چیزیں ہیں لیکن علمِ بدیع میں صنعتِ تلمیح کے حصار میں تلمیحات کے علاوہ اصطلاحات بھی محصور متصور ہوتی ہیں۔ اصطلاح اور تلمیح دونوں کے پسِ منظر میں در اصل اختصار کی اہمیت او رتکرارِ تفصیل سے گریز کی ضرورت کارفرما نظر آتی ہے ۔ حسنین ساحر نے اپنی غزل میں بیعت منصور، ابنِ آدم و حوّا،ہوت و سسی ، خلدِ بریں، نیل جیسی تلمیحات کا جا بجا استعمال کیا ہے جو اردو غزل کی ہند اسلامی روایت کا تسلسل ہیں۔ نمونے کے طور پر چند اشعار ملاحظہ ہوں:

میں ابنِ آدم و حوّا ، میں ان کا وارث ہوں
زمین پر ہوں مجھے میرا آسمان ملے (ایضاً،ص:20)
رو میں ہے زرد نصیبی کا زمانہ ساحر
یہ ٹھہرتا ہی نہیں نیل ہوا جاتا ہے (ایضاً،ص:29)
کوئی بھی خلدِ بریں تک یونہی نہیں پہنچتا
وہ امتحان گہِ دنیا سے ہے گزارا گیا (ایضاً،ص:166)

۳۔ تعلّی:

تعلّی کا لغوی معنی اپنے آپ کو بڑا بنانے یا کہنے ، برتری ، بڑائی اور شیخی بگھارنے کے ہیں۔
اخلاقیات کی دنیامیں عجزو انکسار ی اور فروتنی قابلِ ستائش رویے ہیں اور تکبر و غرور ناپسندیدہ

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.6 No.2 2022

کرداری اوصاف ہیں ۔ لیکن شعرو ادب کی دنیا میں ، اپنے آپ کو بلند کرنا یا کہنا، کوئی قابلِ گرفت یا مکروہ و معیوب فعل نہیں ہے۔ اگرچہ بعض نقاد اس کو مستحسن بھی خیال کرتے ہیں لیکن شعرا کی اپنی داخلی دنیا ہوتی ہے ، ضروری نہیں کہ اس کا خارج میں کوئی وجود بھی ہو اوروہ اپنی داخلی دنیا کے بے تاج بادشاہ ہوتے ہیں اور کبھی اِس بادشاہی کا ردیف و قافیہ کا سہار الے کر اعلان بھی کر دیتے ہیں جسے "شاعرانہ تعلّی" کہا جاتا ہے۔اُردو غزل کی روایت میں تعلّی کا استعمال شروع سے چلا آرہا ہے۔چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

تر دامنی پہ شیخ ! ہماری نہ جائیو
دامن نچوڑ دیں ، تو فرشتے وضو کریں (۱۷)

سو پشت سے ہے پیشہ آبا سپہ گری
کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے (۱۸)

فقیرانِ حرم کے ہاتھ اقبال آ گیا کیوں
میسر میر و سلطاں کو نہیں شاہین کافوری (۱۹)

حسنین ساحر کی غزل میں تعلّی کا استعمال بہت خوب صورت انداز میں دیکھنے کو ملتا ہے۔نمونے کے چند اشعار ملاحظہ ہوں :

خیر ایسا بھی غم نہیں تیرا
جو نہ دل سے مرے سہا جائے (فصیلِ جاں،ص:184)

تیری خواہش ہے محترم لیکن
تیری سوچوں سے ماورا ہوں میں (ایضاً،ص:36)

مجھے پانے کے اب وہ خواب چھوڑے
میں اُس کی دسترس سے ماورا ہوں (ایضاً،ص:56)

۴۔ سہل ممتنع:

مشکل پسندی کے متضاد سہل ممتنع کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔بقول ڈاکٹر سلیم اختر:

"اس سے آسانی ، سادگی اور سلاست کی وہ حد مراد ہے کہ اگر اس سے زیادہ سادہ بیانی ، سلاست اور سادگی بروئے کار لائی جائے تو شعر سپاٹ ہو کر نثر میں تبدیل ہو جائے۔"(۲۰)

اسی ضمن میں پروفیسر انور جمال کہتے ہیں"ایک ایسا شعر جو اس قدر آسان لفظوں میں ادا ہو جائے کہ اس کے آگے مزید سلاست کی گنجائش نہ ہو"سہلِ ممتنع" کہلاتا ہے"(۲۱)۔ سہلِ ممتنع کے باب میں میر تقی میر، خواجہ میر درد، ناصر کاظمی، عبدالحمید عدم کے نام بہت سہولت سے لیے جا سکتے ہیں ۔ سیف الدین سیف کے درج ذیل اشعار بھی سہل ممتنع کی انتہائی عمدہ مثال ہیں:

کوئی نہیں آتا سمجھانے اب آرام سے ہیں دیوانے
مجبوری سب کو ہوتی ہے ملنا ہو تو لاکھ بہانے (۲۲)

حسنین ساحر کے کلام کا مطالعہ کرنے سے سہلِ ممتنع کی بے شمار مثالیں تلاش کی جا سکتی ہیں ۔ جو ان کے پختہ اور قادر الکلام شاعر ہونے کا ثبوت ہے۔ان کے چند اشعار ملاحظہ ہوں :

اب کوئی مَن چلا نہیں دِکھتا عشق بستی سنور گئی ہو گی (فصیلِ جاں،ص:176)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.6 No.2 2022

ہر نیکی ایک عبادت ہے مت اُلجھو یار ثوابوں میں (ایضاً،ص:163)
زندگی! شام ہونے کو آئی کب مسافت کا خاتمہ ہو گا (ایضاً،ص:138)

۵۔ سادگی و سلاست:

وہ کلام سادگی کے زمرے میں آتا ہے جس کے مفہوم کو عام آدمی با آسانی سمجھ سکے ۔ مولانا الطاف حسین حالی شعر کی سادگی پر بہت زور دیتے تھے۔ابوالاعجاز حفیظ صدیقی، مولانا حالی کے حوالے سے لکھتے ہیں :

> "سادگی سے صرف الفاظ کی سادگی مراد نہیں بلکہ خیالات بھی ایسے نازک اور دقیق نہیں ہونے چاہئیں جن کے سمجھنے کی عام ذہنوں میں گنجائش نہ ہو۔ محسوسات کے شارعِ عام پر چلنا بے تکلفی کے سیدھے راستے سے اِدھر اُدھر نہ ہونا اور فکر کو جولانیوں سے باز رکھنا اس کا نام سادگی ہے۔"(۲۳)

سادگی ایک اضافی امر ہے ۔ ہو سکتا ہے کہ ایک شعر جو ایک عالم کے لیے سادہ اور ایک عام آدمی اس کے سمجھنے اور اس کی خوبی دریافت کرنے سے قاصر ہو ۔ ایسا سادہ کلام ناممکن ہے جس سے ہر درجے اور طبقے کے لوگ برابر لذت اور حظ اٹھائیں ۔ اس لیے ایسے کلام کو سادگی کے دائرے میں داخل سمجھنا چاہیے جو اعلیٰ اور اوسط درجے کے لوگوں کے نزدیک سادہ ہو خواہ ادنیٰ درجے کے لوگ اس کی اصل خوبی سمجھنے سے قاصر ہوں ۔ مولانا الطاف حسین حالی کے نزدیک سادگی کا اصل معیار یہ ہے کہ خیال کیسا ہی بلند اور دقیق ہو مگر پیچیدہ اور ناہموار نہ ہو اور الفاظ جہاں تک ممکن ہو محاورہ اور روزمرہ کی بول چال کے قریب ہوں۔

حسنین ساحر نے اپنے خیالات اور احساسات کو نہایت سادگی اور آسان الفاظ کے کے ساتھ قاری تک پہنچایا ہے۔ ان کے کلام سے ہر درجے کے لوگ برابر لذت اٹھا سکتے ہیں ۔ حسنین ساحر کی شاعری میں بلند خیال، سادگی اور تغزل کی جھلک جا بجا نظر آتی ہے۔انتہائی سادگی سے بلند خیالات کو بیان کرنا ان کا بنیادی وصف ہے۔ حسنین ساحر جہاں سادگی کو اپناتے ہیں، وہاں ان کے خیالات مدہم نہیں پڑتے بلکہ سادہ سے سادہ الفاظ کا چناؤ کر کے اپنے خیالات کا اظہار کر دینا ان کا وصف ہے۔ان کی شاعری سے چند مثالیں دیکھیے:

آج اس اجنبی کو دیکھ لیا جو تھا اپنا، اُسی کو دیکھ لیا
اس کو دیکھا تو پھر مچلتے ہوئے اپنے دیوانے جی کو دیکھ لیا (فصیلِ جاں،ص:43)
تیرا ہو چکا ہوں میں پھر بھی بے وفا ہوں میں؟
کام میں پھنسا ہوں میں تم سے کب جدا ہوں میں (ایضاً،ص:53)

۶۔ رنگِ تغزل :

تغزل کے لغوی معنی غزل میں عشقیہ مضامین کو بیان کرنا ہے ۔ شعر کے عام اوصاف کے علاوہ غزل کے شعر میں بعض خالص عناصر بھی ہوتے ہیں ۔ مثلاً نفاست ، نزاکت ، نکتہ سنجی ، رمز و ایما، گداز ، بے ساختگی اور جذبے کا سوزو گداز؛ ان عناصر کو تغزل کہا جاتا ہے۔تغزل اور غزل کا فرق بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر عبارت بریلوی رقم طراز ہیں :

> "غزل اور تغزل اگرچہ لازم و ملزوم ہیں اور ایک دوسرے کے بغیر تصور ناممکن ہے لیکن اس کے باوجود ان کی اپنی اپنی جگہ الگ حیثیت بھی ہے کیوں کہ غزل بہر حال ایک صنف سخن ہے اور تغزل ایک اندا زِ بیاں طرزِ اظہار یہ ٹھیک ہے کہ غزل جسم ہے اور تغزل اس کی روح۔"(۲۴)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.6 No.2 2022

تغزل آسمان کا وہ چاند ہے جو غزل کو روشن اور پُر رونق بناتا ہے اور جس کے وجود کے بغیر تاریکی اور بے رونقی سایہ فگن ہوتی ہے ۔ حقیقتاً تغزل اس حالت کا نام ہے کہ ایک مکمل داستان کو دو مصرعوں میں سمو دینا غزل بن جاتا ہے ۔ ناقدین کے نزدیک تغزل غزل کی خوبی نہیں بلکہ لازمہ ہے کہ جس کے بغیر غزل کا وجود ناممکنات میں سے ہے

ڈاکٹر یوسف حسین خاں لکھتے ہیں :

"غزل ہمیشہ بلند ہی ہو گی اگر واقعی وہ تغزل کے آداب کی حامل ہے اور اوسط درجے یا ادنیٰ درجے کی غزل مگر وہ چیز ہے جس سے گھن آتی ہے ۔ ادبی ہونا تو کجا اس کی غلط تعبیر و توجیہہ کا اندیشہ رہتا ہے جو ممکن ہے طبائع پر برا اثر ڈالے۔"(۲۵)

تغزل لفظی بازی گری ، رمز و ایمائیت اور تشبیہات کا جادو بکھیرنے کا نام ہے بلکہ مضامین کی سادگی اور طرزِ ادا کی اس عمدگی کا نام ہے کہ شعر سنتے ہی بے اختیار دل سے کلمۂ تحسین برآمد ہو ۔ مضامین اور طرزِ ادا کی سادگی کو ناقدین نے بے حد سراہا ہے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ کہتے ہیں کہ "تغزل اس جوہرِ لطیف کا نام ہے جو غزل میں لطف اور حسن پیدا کرتا ہے"(۲۶)۔

حسنین ساحر کی غزلوں میں تغزل بدرجہ اتم موجود ہے ۔ ان کی غزلوں میں نفاست ، لطافت اور دردمندانہ کیفیات جگہ جگہ نظر آتی ہیں۔ انہوں نے اپنی غزلوں میں قلبی وارداتوں کو بڑے احسن طریقے سے پیش کیا ہے ۔حسنین ساحرنے اپنی غزلوں میں شیریں اور سادہ الفاظ کا استعمال کیاہے اس کے علاوہ رمز و ایماء، سوزو گداز اور بے ساختہ جذبات کا اظہار ان کی غزل کا وصف ہے اور یہ تمام چیزیں تغزل کے زمرے میں آتی ہیں۔گویا حسنین ساحر کی غزلیں تغزل سے لبریز ہیں۔ان کی غزلوں کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

رات چوکھٹ پر اُمیدیں سَر پٹختی رہ گئیں
صبح ہوتے ہی میں گھر کے روزنوں سے لڑ پڑا (فصیلِ جاں،ص:39)

ایک چوکھٹ سے باہر کہانی گئی
گھر کی بنیاد پر بجلیاں گر پڑیں (ایضاً،ص:51)

کسی کی سوچوں میں کھو یوں محوِ یاس رہنا نہیں مناسب
کہ سرمئی شام میں یوں تنہا اُداس رہنا نہیں مناسب (ایضاً،ص:100)

۷۔ تشبیہات واستعارات:

"تشبیہ" کے لغوی معنی مشابہت دینا یا تمثیل کے ہیں ۔ علمِ بیان کی اصطلاح میں کسی چیز کو کسی خاص صفت (اچھی یا بری) کے اعتبار سے دوسری چیز کی مانند قرار دینا، تشبیہ کہلاتا ہے ۔ لیکن دوسری چیز میں پہلی چیز کے مقابلے میں صفت مسلمہ طور پر زیادہ جامع صورت میں موجود ہونی چاہیے ۔مثلاً :"اس کنویں کا پانی شہد کی طرح میٹھا اور برف کی مانند ٹھنڈا ہے"۔ حسنین ساحر کی شاعری کا فنی تجزیہ کیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ انہوں نے نہ صرف اپنے کلام میں تشبیہ کا استعمال نہایت مہارت کے ساتھ کیا ہے بلکہ کہیں کہیں وہ اپنے قاری کو چونکا دیتے ہیں:

کچھ گلاب سے چہرے سج گئے فصیلوں پر
جس کی وہ حویلی ہے باغبان ہے شاید (ایضاً،ص:24)

مری فطرت تو ہے آبِ رواں سی
میں اونچائی سے پستی میں چلا ہوں (ایضاً،ص:55)

اک دھواں سا ہے میری آنکھوں میں

سبز پیڑوں سا جل رہا ہوں میں (ایضاً،ص:35)

"استعارہ " کے لغوی معنی عاریتاً مانگنا یا عاریتاً لینا ہے ۔ علمِ بیان کی اصطلاح میں استعارہ اس لفظ کو کہتے ہیں جو حقیقی معانی کے بجائے غیر حقیقی یا مجازی معنی میں استعمال ہو اور حقیقی و مجازی معنوں میں تشبیہ کا تعلق پایا جائے۔ یعنی لفظ کے حقیقی معانی کا لباس عاریتاً لے کر مجازی معنی کو پہنانے کا نام استعارہ ہے ۔ حسنین ساحر نے اپنی غزلوں میں بہت خوب صورت استعارے برتے ہیں۔ اس ضمن میں ان کے مجموعۂ غزل "فصیلِ جاں "سے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

تن ہے دھوپ میں جلتا تانبا، من کمہار کا آوا
جو بھی گزری مجھ پہ، تیری پریت کی ہے سوغات (ایضاً،ص:149)

چہرے پر میں کاغذ پہنے پھرتا ہوں
زندہ ہوں پر بے حس ہو کر جیتا ہوں (ایضاً،ص:37)

ایک زرد پتا ہوں
شاخ سے گرا ہوں میں (ایضاً،ص:58)

۸۔ جدید ریختہ:

حسنین ساحر کا شمار "جدید ریختہ "کہنے والے چند شعرا میں ہوتا ہے۔اس حوالے سے انھیں کافی پذیرائی حاصل ہوئی۔ جدید ریختہ غزل میں مختلف زبانوں کے الفاظ برتے جاتے ہیں۔نمونۂ کلام ملاحظہ ہو:

شورش و انتشار می بینم یورش و خلفشار می بینم
دامنِ تار تار می بینم آئنہ اشک بار می بینم
چیختی رات اور تنہائی صبح کا انتظار می بینم
نیم شب کروٹیں، تری یادیں خواب گہ زار زار می بینم
دل سمندر ہے اور سمندر کا ساحلِ بے قرار می بینم
رہبر و رہنما ہیں آسودہ خلقتِ گریہ بار می بینم (ایضاً،ص:53)

حسنین ساحر کی غزل لسانی واسلوبی حوالے سے متنوع اوصاف کی حامل ہے۔ضروری ہے کہ ان کی غزل کو موضوعِ تحقیق بنایا جائے تاکہ ان کے فن کے ساتھ ساتھ ان کا فکری و موضوعاتی تنوع بھی آشکار ہو۔

....*....

حوالہ جات :

۱۔ انیس ناگی،تنقیدِ شعر ،لاہور، مکتبہ میری لائبریری، ۱۹۶۸ء، ص:۶۶
۲۔ شبلی نعمانی، مولانا،شعرالعجم، جلد چہارم، لاہور ، عشرت پبلشنگ ہاؤس ، س ن ، ص:۵۶
۳۔ ایضاً،ص:۹۴
۴۔ مصحفی ، غلام ہمدانی :دیوان ہشتم ، لاہور ، مجلس ترقی اردو ، طبع دوم ، ۱۹۹۴ء،ص:۶۴
۵۔ غالب ،مرزا اسد اللہ خاں،دیوانِ غالب، لاہور ، مکتبہ جمال ، ۱۹۰۲ء، ص:۱۰۳
۶۔ منیر نیازی،چھے رنگین دروازے ، اسلام آباد ، دوست پبلی کیشنز ، ۲۰۰۸ء، ص:۲۵

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.6 No.2 2022

۷۔ عابد سیال،بے ستوں،راول پنڈی، پریمیئر پریس، ۲۰۱۵ء، ص:۴۷
۸۔ حامد کاشمیری ، پروفیسر،اردو کی نئی غزل (ہندوستان میں)، مشمولہ بھارت میں اردو (مرتبہ)، غلام ربانی آگرو، اسلام آباد، اکادمی ادبیات پاکستان،۱۹۸۷ء، ص:۱۷۱
۹۔ یوسف حسین خان، ڈاکٹر،اردو غزل ، لاہور ، آئینہ ادب ، ۱۹۶۴ء، ۲۴۸
۱۰۔ میر تقی میر،کلیاتِ میر ، لاہور ، سنگِ میل پبلی کیشنز ، ۲۰۰۸ء، ص:۴۰۴
۱۱۔ خاور اعجاز،نیرنگِ غزل، اسلام آباد،نیشنل بک فاؤنڈیشن،۲۰۱۶ء ،ص:۲۲۵
۱۲۔ انور جمال ،پروفیسر،ادبی اصطلاحات، اسلام آباد، نیشنل بک فاؤنڈیشن،، ۲۰۱۵ء، ص:۱۶۰
۱۳۔ غالب، مرزا اسد اللہ خاں:دیوانِ غالب ، ص:۱۶۴
۱۴۔ انور جمال ،پروفیسر:ادبی اصطلاحات، ص:۷۵
۱۵۔ میر تقی میر: کلیاتِ میر، ص:۴
۱۶۔ دیوانِ غالب ، ص:۱۲۰
۱۷۔ میر درد، خواجہ،دیوانِ میر درد، دہلی ، ادارہ ادبیات ، ۱۹۵۸ء، ص:۱۸۰
۱۸۔ غالب ، مرزا اسد اللہ خاں:دیوانِ غالب، لاہور، ماورا پبلشرز ، ۲۰۰۴ء، ص:۱۵۹
۱۹۔ علامہ محمد اقبال، ڈاکٹر،کلیاتِ اقبال، اسلام آباد ، روحانی آرٹ پریس، ۲۰۱۴ء، ص:۱۳۰
۲۰۔ سلیم اختر ، ڈاکٹر ،تنقیدی اصطلاحات ، لاہور ، سنگِ میل پبلی کیشنز ، ۲۰۱۱ء، ص:۱۶۶
۲۱۔ ادبی اصطلاحات، ص:۱۲۰
۲۲۔ خاور اعجاز:نیرنگِ غزل،ص:۷۲
۲۳۔ حفیظ صدیقی، ابوا لاعجاز(مرتب)،کشاف تنقیدی اصطلاحات، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان پاکستان، ص:۹۶
۲۴۔ عبادت بریلوی ، ڈاکٹر:غزل اور مطالعۂ غزل، علی گڑھ، ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۲۰۰۵ء،ص:۱۰۹
۲۵۔ یوسف حسین خاں، ڈاکٹر:اردو غزل ، ص:۱۳
۲۶۔ عبداللہ حسین ، ڈاکٹر،اشاراتِ تنقید،لاہور ، علمی کتب خانہ ، ۱۹۶۶ء،ص:۱۰۸